۵۶واں باب

سیّدنا عمرؓ بن الخطاب کی کاروانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں شمولیت

مکہ کا ماحول بدلتا ہے، حبشہ میں اسلام کے ایک مرکز سے پریشان جاہلیت سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مفارقت سے ہل جاتی ہے

۷۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب کے ایمان کے متمنی ہیں

۷۷ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام نے گھر کرنا شروع کیا

۷۹ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

۸۰ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا ایک اور مقبول عام قصہ

۸۳ کیا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہن بہنوئی کو زدوکوب کیا؟

۸۴ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے اثرات

۸۶ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا خطاب عطا ہونا

۵۶واں باب

سیّدنا عمرؓ بن الخطاب کی کاروانِ نبوت ﷺ میں شمولیت

یہ بات ہم جان چکے ہیں کہ گزشتہ دنوں اہلِ مکہ کی حبشہ میں سفارت کاملاً ناکام ہوگئی اور قریش کے اکابرین یہ جان گئے کہ مسلمانوں کو ایک ٹھکانہ مُیسر آچکا ہے جہاں وہ اطمینان کی زندگی گزارنے کے ساتھ طاقت پکڑ سکتے ہیں اور مستقل خطرہ بھی بن سکتے ہیں۔ وہ ابھی حبشہ میں سفارت کی ناکامی اور مستقبل میں اس کے معاشی اور سیاسی مضمرات پر غور ہی کررہے تھے کہ سال نے جاتے جاتے اپنی (ذوالحجہ کی) آخری تاریخوں میں انھیں ایک اور چرکا یہ لگایا کہ اُن کی صفوں میں سے حمزہؓ جیسی بلند پایہ شخصیت کٹ کر اسلام میں داخل ہو گئی، اسلام کے مقابلے میں یہ جاہلیت کی پسپائی کا آغاز تھا، لیکن جاہلیت کو ابھی ایک اور بڑے صدمے سے دوچار ہونا تھا اور اب اس پسپائی کو آنے والے ہر دن کے ساتھ مزید اٹھارہ سال، فتحِ مکہ تک جاری رہنا تھا۔

نبی کریم ﷺ عمر بن الخطاب کے ایمان کے متمنی ہیں

سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے نکل جانے کے بعد مخالف کیمپ کی صفِ اوّل میں جری، بہادر اور اپنی ہٹ کے پکے بہترین قائدانہ صلاحیتوں کے مالک بس اب دو ہی افراد تھے؛ ایک عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور دوسرے عمر بن الخطاب، باقی لیڈرشپ دوسرے درجے کی تھی جس میں ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، عتبہ، شیبہ وغیرہ شامل تھے۔ بنو ہاشم کے بہترین افراد ایمان نہ لانے کے باوجود نبی ﷺ کے معاون و مددگار تھے۔ ابو لہب ایک تھرڈ کلاس اور کم ظرف آدمی تھا، اُس کا شمار دونوں فریق اچھے آدمیوں میں نہیں کرتے تھے۔ حساس، ذہین اور پاکیزہ خو نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو تو پورے مکہ کے سارے قبائل سے چن چن کر اسلام اپنی گود میں لے چکا تھا۔ مسلم کیمپ کے قائد نبی ﷺ کی نظریں اب مخالف کیمپ کی صفِ اوّل پر تھیں، آپؐ نے دعا فرمائی: اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔ اور دعا عمر بن خطاب کے حق میں قبول ہوگئی! احیائے دین کی اسلامی تحریکات کو نبی ﷺ کی یہ دعا یاد رکھنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ مخالف کیمپ کی صفِ اول سے کچھ

حاصل کر سکیں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ مکہ میں کوئی ان سے مقابلے کی جرأت نہ کرتا تھا۔اس لیے ان کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انھیں بڑی دل شکستگی ہوئی۔دوسری جانب مسلمانوں نے اپنے ضعف کو قوت میں اور کفار کے مقابلے میں کم زوری کو اُن کے ساتھ برابری اور شرف میں تبدیل ہوتا ہوا محسوس کر لیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام نے گھر کرنا شروع کیا

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ ۵ نبوی کی بالکل آخری تاریخوں کا یا ٦ نبوی کی پہلی چند تاریخوں کا ہے۔وہ سیّدنا حمزہؓ کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے۔جیسا پہلے بیان کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی: اللّٰھم أعز الاسلام بأحب الرجلین الیک ؛ بعمر بن الخطاب أو بأبی جھل بن ھشام۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور سیّدنا عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے۔سیّدنا عمرؓ کے اسلام لانے سے متعلق تمام روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام نے ایک تدریج سے گھر کیا۔ ہمارے نزدیک عقلِ سلیم اور ذوقِ سلیم کو زیادہ اپیل کرنے والا قصہ یا واقعات کی ترتیب جو مختلف متضاد و متعارض روایات میں حقیقت سے قریب پائی جاتی ہے وہ کچھ یوں ہے:

ایک رات سیّدنا عمرؓ حرم تشریف لائے،اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے آپ تلاوت سننے کے شوق میں خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سُوْرَةُ الْحَآقَّة کی تلاوت فرما رہے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ قرآن سننے لگے اور اس کی شانِ بیان پر حیرت زدہ رہ گئے۔ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے دل میں سوچا: اللہ کی قسم! قریش صحیح کہتے ہیں محمدؐ تو بڑا عمدہ شاعر ہے، لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ [یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔] سیّدنا عمرؓ کہتے ہیں میں نے دل میں کہا اوہو، یہ تو کاہن ہے کہ دل کی بات جان گیا لیکن اتنے میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ [یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔] سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قرآن کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس سماعت نے میرے دل میں اسلام کے لیے جگہ پیدا کر دی۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی طرف مائل ہونے کے بارے میں ابنِ اسحاق کی ایک روایت اُمِّ عبداللہؓ بنت ابی حثمہ کی ہے۔ عامرؓ بن ربیعہ سیّدنا عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے۔ اُمِّ عبداللہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ حبشہ ہجرت کر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اِسی سلسلے میں میرے شوہر عامرؓ باہر ضرورت کا کچھ سامان لینے گئے ہوئے تھے کہ سیّدنا عمرؓ آ گئے اور کھڑے ہو کر ہماری تیاری کا منظر دیکھنے لگے۔ اب تک ان کا رویہ نہایت سخت رہا تھا اور انھوں نے ہم کو بہت اذیت [55] دی تھی۔ سیّدنا عمر پوچھنے لگے: اے اُمِّ عبداللہ، کیا واقعی جا رہی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، تم لوگوں نے بہت سخت اذیتیں دیں، ہم پر ستم ڈھایا یہاں تک کہ ہم اس اقدام پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اب ہم اللہ کی زمین میں نکل جائیں گے یہاں تک کہ اللہ کشادگی کا کوئی راستا نکالے۔ عمرؓ نے کہا: اچھا، اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔ اور یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے ان کی آواز بھرّا گئی، دل میں رقت طاری ہو گئی اور وہ اسی کیفیت میں وہاں سے چلے گئے، اس سے قبل میں نے عمرؓ کے چہرے پر ایسی رقّت کبھی نہ دیکھی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ انھیں ہمارے جانے نے غمگین کر دیا ہے۔ کچھ دیر میں میرے شوہر، عامرؓ وہ ضروری سامان لے کر آ گئے جس کے لیے گئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اے ابو عبداللہ کاش آج تم عمرؓ کو اور اُس کے چہرے پر چھائے ہوئے غم کو دیکھتے جو انھیں ہمارے جانے پر ہو رہا تھا، میرے شوہر نے کہا کہ کیا تم امید کرتی ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ کہنے لگے کہ خطاب کا گدھا جسے تم نے دیکھا ہے، جب تک وہ ایمان نہیں لائے گا، خطاب کا بیٹا عمرؓ ایمان نہیں لائے گا۔ میرے شوہر نے یہ بات اس لیے کہی کہ وہ اسلام کے بارے میں عمرؓ کی سختی اور تشدد کو ایک مدت سے دیکھتے آ رہے تھے اور اُن کے قبولِ اسلام سے بالکل نا امید تھے۔

جناب خالد مسعودؒ اُس روایت پر بہت ہی مناسب یہ تبصرہ کرتے ہیں: یہ روایت بالکل فطری معلوم ہوتی

---

۵۵ سوچنے کی بات ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے اُمِّ عبداللہ بنت ابی حثمہ اور اُن کے شوہر عامرؓ بن ربیعہ کو اپنے جاہلیت کے دور [حالتِ کفر] میں کیا اذیت دی ہو گی؟ اُنھیں باعزت لوگوں کو اذیت دینے کا کون سا استحقاق حاصل تھا؟ اور اگر ایسا کچھ تھا تو وہ اُن کے سامنے کیوں کر اعلانیہ، فخر کے ساتھ وطنیت پر دو حرف بھیج کر ہجرت کی تیاری کر رہی تھیں؟ اُمِّ عبداللہ، عمر کی اور اُن کے ساتھ دیگر لوگوں کی جس اذیت رسانی کا تذکرہ کر رہی تھیں ،وہ جسمانی اذیت یا معاشی استحصال کی نہیں تھی، یہ وہ طعنہ زنی، اسلام اور مسلمانوں کے لیے حقارت آمیز باتیں اور اُن کے عقائد کا مذاق تھا جس سے جسم نہیں روح زخمی تھی ___ حبشہ ہجرت کرنے والوں کی اکثریت نے اِس اذیت سے نجات حاصل کرنے اور دینِ حق کو مکہ سے باہر پھیلانے کے لیے ہجرت کی تھی۔

ہے۔ ایک گھرانا، جس کے ساتھ برسوں کا بھائی چارا رہا ہو، افراد خانہ سے قلبی تعلق ہو، ایک وقتی مسئلہ پر جذبات کی شدت میں آدمی نے ان کے ساتھ اس قدر زیادتی کی ہو کہ وہ اپنا گھر چھوڑنے پر تیار ہو جائے، لیکن اپنے نظریات پر آنچ نہ آنے دے، جب فی الواقع سامان باندھ لیتا ہے تو سنگ دل سے سنگ دل آدمی کے جذبات میں بھی ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خرابی کہیں میرے اندر ہی نہ ہو اور انھی لوگوں کے نظریات درست نہ ہوں۔ اس طرح کے واقعات زندگی کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا عمرؓ کی سوچ اسی واقعہ نے بدل دی اور کچھ عرصہ غور کرنے کے بعد انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ (حیات رسولِ اُمی، ص ۱۵۸)

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابنِ اسحاق کے حوالے سے ابنِ ہشام، سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو اُن کے مطابق خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عطا اور مجاہد کو سنایا تھا۔

"میں اسلام سے بہت دور بھاگتا تھا کیوں کہ میں بہت زیادہ شراب پینے والا شخص تھا۔ ہماری ایک مجلس مکہ کے بازار حزور میں عمر بن عبد کے گھر کے پاس ہوا کرتی تھی اور اس میں قریش کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ ایک رات میں اس ارادے سے اس مجلس کی طرف گیا کہ وہاں بیٹھ کر اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ وقت گزاروں، لیکن جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ دوستوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ میں ایک دوسرے شراب فروش کے پاس جا کر وہاں سے کچھ لوں تا کہ پینے کا کوئی سامان ہو سکے۔ وہاں پہنچا تو وہ شراب فروش بھی موجود نہیں تھا۔ اس پر میں نے حرم جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں طواف کروں۔ جب میں نے کعبۃ اللہ کا طواف کرنا شروع کرنا چاہا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز ادا کر رہے ہیں، آپ کا رخ ملک شام کی جانب تھا اس طرح کہ کعبہ آپؐ کے اور شام کے درمیان ہوتا تھا، آپؐ کے نماز پڑھنے کی جگہ حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان تھی۔ میں نے جب آپؐ کو نماز میں مصروف پایا تو یہ منصوبہ بنایا کہ آج رات مجھے محمدؐ کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور سننا چاہیے کہ وہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر میں سننے کے لیے آپؐ کے قریب جاؤں گا تو آپؐ خوف زدہ ہو جائیں گے اس لیے میں نے چھپ کر سننے کا فیصلہ کیا اور میں حطیم کی طرف آ گیا، یہاں سے غلافِ کعبہ میں چھپ کر اندر ہی اندر چلتا ہوا وہاں آ گیا جہاں آپؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہے۔ میں آپ سے اتنا قریب ہو گیا کہ میرے اور آپؐ کے درمیان صرف کعبے کا پردہ تھا، جب میں نے قرآن سنا تو میرے دل میں رقت

پیدا ہوئی اور میں رونے لگ گیا، میرے اندر اسلام داخل ہو گیا۔ میں نبی ﷺ کے نماز مکمل کرنے تک وہیں کھڑا رہا یہاں تک کہ آپؐ نماز مکمل کر کے لوٹنے لگے، جب آپ واپس جایا کرتے تھے تو ابنِ ابی حُسین کے گھر سے ہو کر جاتے تھے، یہی آپؐ کا راستا تھا، پھر اس کے بعد آپؐ سعی کے مقام سے گزرتے اور عباس بن عبد المطلب اور ابنِ ازہر بن عبدِ عوف الزہری کے گھروں کے درمیان میں سے ہوتے ہوئے الاخنس بن شریق کے گھر کے پاس سے گزرتے اور اپنے گھر آجاتے۔ آپؐ کا مکان الدار الرقطاء میں تھا۔ اب وہ معاویہ بن سفیان کے قبضے میں تھا۔ اس کے بعد میں آپؐ کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ آپؐ جب عباس اور ابنِ ازہر کے گھروں کے درمیان پہنچے تو میں آپؐ کے پاس پہنچ گیا، جوں ہی نبی ﷺ نے میری آہٹ سنی تو مجھے پہچان لیا، آپؐ کا خیال تھا کہ میں آپؐ کو تنگ کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ چناں چہ آپؐ نے مجھے سختی سے خطاب کیا اور کہا: اے خطاب کے بیٹے! تو یہاں اس وقت کس ارادے سے آیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول پر اور اُس چیز پر جو اللہ کی طرف سے آئی ہے، ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے کہا کہ قد هداك الله يا عمر یعنی: اے عمر اللہ نے تجھے ہدایت دے دی۔ پھر آپؐ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے ثابت قدمی کی دعا فرمائی۔ میں نبی ﷺ کے پاس سے واپس آگیا اور آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔"

ہجرت حبشہ کے کچھ ہی عرصہ بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اس بات کی دلیل ہے کہ کافی عرصہ پہلے سُوْرَةُ الْحَآقَّة کی سماعت سے آپؓ کے دل میں اسلام کے لیے جو بیج پڑا تھا اور بعد میں اُمِّ عبد اللہ نے آپ کے چہرے پر جو رقت اور غم دیکھا تھا، اُس نے اپنا کام کر دیا اور اُن کے ضمیر کو ہلا کر رکھ دیا، غم کی آب یاری سے وہ بیج نمو پا گیا! اُن کے شوہر، عامرؓ کی توقع کے بر خلاف اور اُمِّ عبد اللہ کی امید کے مطابق، سیّدنا عمرؓ اسلام کے دامن گیر ہو گئے۔ اسلام نے انھی کو نہیں، بلکہ متعدد دوسرے قریشی نوجوانوں کو بھی اپنے دامن میں کھینچ لیا اور مشرکین کی امیدوں کے بر عکس لوگوں کے مسلمان ہونے کی رفتار میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور کاروان نبوت ﷺ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا ایک اور مقبول عام قصہ

سیرت النبی ﷺ کی کتب میں عام طور پر مذکورہ بالا واقعے کو ثانوی اہمیت/حیثیت سے بیان کیا جاتا ہے اور جو واقعہ زیادہ تریقین کے ساتھ تقریروں اور خطبوں میں بیان ہوتا ہے، جو بہت مشہور و معروف ہے اور بچوں کو درسی کتب میں پڑھایا جاتا ہے وہ ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ اُس پر جو بڑے بر محل اشکالات جناب خالد

مسعودؒ نے اپنی کتاب حیات رسولِ اُمی میں اُٹھائے ہیں انھیں بھی فٹ نوٹس میں ذکر کر رہے ہیں۔ یہ قصہ بھی ابن ہشام نے ابنِ اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِن دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے۔

سیّدنا عمرؓ بن خطاب ایک روز خود جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی نیت [56] سے تلوار لے کر نکل پڑے راستے میں ایک صاحب ایمان فرد نعیمؓ بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی جن کے ایمان سے سیّدنا عمرؓ ناواقف تھے۔ انھوں نے آپ کے غصے بھرے جلالی تیور دیکھ کر دریافت کیا: عمرؓ ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: محمدؐ کو قتل کرنے [57] جا رہا ہوں۔ نعیمؓ نے کہا: محمدؐ کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟ سیّدنا عمرؓ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔ نعیمؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی میں سیّدنا عمرؓ کے جذبات اور اقدام کا رخ موڑنے کے لیے کہا: عمر! ایک عجیب بات نہ بتا دوں؟ تمھاری بہن اور بہنوئی بھی تمھارا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔ یہ سن کے عمرؓ غصے سے بے قابو ہو گئے [58] اور سیدھے بہن بہنوئی کے گھر پہنچ گئے۔ ان کے بہن بہنوئی کو قرآن پڑھانے کی ذمہ داری جناب خبابؓ کی تھی، وہ اُس وقت وہاں انھیں تعلیم دے رہے تھے، جس وقت عمرؓ وہاں پہنچے تو خباب بن ارثؓ ایک صحیفے سے سُوْرَۃُ طٰهٰ

---

۵۶ عرب کی قبائلی زندگی میں کسی دوسرے قبیلہ کے ایک فرد کا قتل بڑے دوررس نتائج کا حامل ہوتا تھا۔ یہ کام اگر آسان ہوتا تو قریش کے تمام خانوادے بنو ہاشم پر یہ زور نہ دیتے کہ وہ محمد ﷺ کو خود روکیں۔ انھیں یہی خطرہ تھا کہ اگر ہم کوئی ایسا اقدام کر گزرے تو مکہ کے اندر ایک طویل جنگ چھڑ جائے گی جس سے عہدہ برآ ہونا کسی کے لیے ممکن نہ ہو گا۔

۵۷ عمر رضی اللہ عنہ جہاں دیدہ اور زیرک آدمی تھے۔ وہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے قتل جیسے اقدام کا ارادہ نہیں کر سکتے تھے، کیوں کہ ان کا قبیلہ بنو عدی، بنو ہاشم کے مقابلے میں بے حد کمزور تھا۔

۵۸ سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور فاطمہؓ بنت الخطاب قدیم الاسلام صحابی ہیں، جو بعثت نبوی کے فوراً بعد مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا اسلام پوشیدہ بھی نہیں تھا کہ اس کی بھنک گھر کے افراد کے کانوں میں نہ پڑ سکتی۔ پانچ سال کے عرصہ میں تو ہر مسلمان معلوم و معروف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قبیلۂ قریش ان کو سبق سکھانے پر تلا ہوا تھا اور وہ علی الاعلان حبشہ کو ہجرت کر رہے تھے۔ اس روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے سعید بن زید □ ۶ نبوی میں اس واقعہ سے ذرا پہلے مسلمان ہوئے ہوں، جس کی اطلاع ابھی تک اُن کے سالے کو نہیں تھی!

پڑھا رہے تھے [ایک دوسری روایت کے مطابق سُوْرَةُ الْحَدِيْد [59]] عمرؓ کی آہٹ سنی تو چھپ گئے۔ اور عمرؓ کی بہن فاطمہؓ نے صحیفہ چھپا دیا [60] لیکن عمرؓ گھر میں داخل ہونے سے قبل ہی خبابؓ کی آواز سن چکے تھے۔ چناں چہ پوچھا کہ یہ کیسی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انھوں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عمرؓ نے کہا: غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔ بہنوئی نے کہا: اچھا عمرؓ! یہ بتاؤ اگر حق تمھارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟ عمر رضی اللہ عنہ کا اتنا سننا تھا کہ اپنے بہنوئی کی خوب پٹائی شروع کر دی۔ ان کی بہن نے آگے بڑھ کر انھیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرے پر خون نکل آیا اور سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے غصے سے کہا: عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا ہی دین برحق ہو تو؟ أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أنَّ محمدًا رسول الله۔ یہ سن کر عمرؓ نے کہا اچھا جو کتاب تمھارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔ بہن نے کہا: تم ناپاک ہو۔ اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ پہلے غسل کرو۔ عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ پھر کتاب لی [61] اور ' پڑھی تو کہنے لگے: یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اس کے بعد کچھ مزید قرأت کی تو کہنے لگے: یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے، مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پتا بتاؤ [62]! خباب بن ارتؓ عمرؓ کے یہ فقرے سن کر

---

59 سورہ حدید بالاتفاق مدنی سورہ ہے۔ ۶ نبوی میں اس کا نزول نہیں ہوا تھا۔ ہجرت سے سات سال قبل یہ سورہ کیسے پڑھنا سکھا دی؟

60 فاطمہ بنت خطابؓ کا صحیفہ سے پڑھنا اور پھر اس کو چھپا دینا بھی خلاف حقیقت ہے۔ مسلمانوں کی کس مپرسی کے ان ایام میں قرآن کی تحریر کا اہتمام کرنا اور پھر اس سے پڑھنا پڑھانا ناممکن تھا۔ قریش میں بھی بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چہ جائیکہ خواتین معمولاً کوئی صحیفہ پڑھنے پر قادر ہو سکتیں۔ اسی طرح خباب ایک غلام تھے۔ ان کا پڑھا لکھا ہونا ثابت کرنا ہوگا۔

61 عمرؓ کا اصرار کہ بہن وہ چیز سنائیں جو پڑھ رہی تھیں، ظاہر کرتا ہے کہ ان کے کان ابھی تک قرآن سے ناآشنا تھے، حالاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو فریضۂ منصبی ہی لوگوں کو قرآن سنانا تھا۔ آپ کئی مرتبہ قریش کے لیڈروں کو قرآن سنا چکے تھے اور خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے خود بھی ایسی آواز سے پڑھتے تھے جو دوسرے لوگ سن سکیں۔ روایت کا یہ تاثر حقیقت سے بعید ہے۔

62 دار ارقم ایک مدت سے مسلمانوں کا مرکز تھا جسے ہر مکی جانتا تھا۔ روایت میں اس کا تذکرہ اس طرح ہوا ہے، جیسے وہ کوئی غیر معروف مکان ہو جو پہلی مرتبہ عمر کے علم میں آ رہا ہو۔

باہر آ گئے۔ کہنے لگے: عمرؓ خوش ہو جاؤ! مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور دارِ ارقم پر آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک صحابی نے اٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمرؓ تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یک جا ہو گئے [٦٣]۔ حمزہؓ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: عمرؓ ہیں۔ سیّدنا حمزہؓ نے کہا: بس! عمرؓ ہے۔ دروازہ کھول دو، اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو اسے ہم عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے۔ آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو عمرؓ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ان سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان کے کپڑے اور تلوار کا پر تلا سمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عزت عطا فرما۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد عمرؓ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے فرمایا: أشهد أن لا اله الا الله وأنک رسول الله۔ یہ سن کر گھر کے اندر موجود صحابہؓ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد الحرام تک اُس کی آواز گئی۔

کیا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہن بہنوئی کو زود کوب کیا؟

سیرت نگار اُن کے اسلام لانے کے اس اوپر مذکورہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک ناقابل یقین قصے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات واحساسات کی ایک نامناسب تصویر کشی کرتے ہیں جو

٦٣ روایت کا تاثر یہ ہے، جیسے نبی ﷺ اس مکان میں چھپے ہوئے ہوں۔ حالانکہ نبی ﷺ کی آمد و رفت نہ صرف مسجد حرام میں، بلکہ قریش کی مجالس میں بھی رہتی۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی نماز میں بہ آواز بلند قرأت کیا کرتے اور قریش خانہ کعبہ کے پردوں میں چھپ کر اس کو سنا کرتے۔ اور یہ اس دور میں بھی ہوا جب نبی ﷺ سے مخالفت بڑے زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ سے ملنا کبھی کسی کے لیے مسئلہ نہیں بنتا تھا۔ اللہ کا رسول ہمیشہ اپنا کام ڈنکے کی چوٹ کرتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوتا ہے اور اللہ خود اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اسے چھپنے چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہمارے خیال میں آپؓ کے شایانِ شان نہیں ہے [۶۴]، مگر یہ کہنے کے لیے کہ آپ نبی ﷺ کو قتل کے ارادے سے نکلے اور بہن بہنوئی کو زود کوب کیا، واقعے کو صحیح تسلیم کرنے یا بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے مزاج کی ایسی ہی توجیہ کی جائے۔ فٹ نوٹ میں نشان زد الفاظ پر غور فرمائیے۔ اب جب کہ قارئین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دائرہ ایمان میں داخل ہونے کے واقعے سے آگاہی حاصل کر چکے ہیں ضروری ہے کہ یہ بھی جانیں کہ ایمان لانے کے بعد میدانِ کشمکش میں کیا ماحول بنا۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے اثرات

سیّدنا عمرؓ کے قبولِ اسلام کے، اسلام اور جاہلیت دونوں پر ہی بڑے گہرے اور دور رس اثرات پڑے۔ ابنِ اسحاقؒ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جوں ہی میں نے اسلام قبول کیا تو سوچا کہ مکے کا کون شخص رسول اللہ ﷺ سے سب سے عناد رکھتا اور دشمنِ اسلام ہے؟ پھر میں نے خود ہی کہا کہ یہ عمرو بن ہشام [ابو جہل] ہے۔ پس میں فوراً اُس کے گھر پہنچا، اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا، وہ باہر آیا؛ دیکھ کر بولا: اَھلاً وسھلاً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: تمھیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ سُن کر اُس نے یہ کہتے ہوئے کہ: اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی برا کرے؛ مجھے یونہی کھڑا چھوڑا اور دروازہ بند کر لیا۔

---

۶۴ مطالعہ فرمائیے الرحیق المختوم سے صفحہ ۱۴۶: ...."عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خوئی کے لیے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریباں تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ آباواجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور لہو ولعب کے دل دادہ تھے لیکن دوسری طرف وہ ایمان وعقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی اور مصائب کے سلسلے میں ان کی قوتِ برداشت کو خوش گوار حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی بھی عقل مند آدمی کی طرح شکوک وشبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرا کرتا تھا کہ اسلام جس بات کی دعوت دے رہا ہے غالباً وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسی لیے ان کی کیفیت (دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی) تھی۔ کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔ [عمرؓ کے حالات کا یہ تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے، فقہ السّیرہ ص ۹۲، ۹۳] "

اس کے بعد سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھونڈرا پیٹنے میں پورے قریش میں مشہور تھا۔ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہی تھے، بولے: یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا خطاب عطا ہونا

خود سیّد نا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ آپ کا لقب فاروق کیوں کر پڑا؟ تو انھوں نے بتایا کہ: میرے ایمان لانے سے تین دن پہلے حمزہؓ مسلمان ہوئے، پھر آپ [عمرؓ] نے اُن [حمزہؓ] کے اسلام لانے کی تفصیل بیان کی اور بتایا کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو —— میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں، خواہ [اعلانِ حق کے نتیجے میں] زندہ رہیں یا جان دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ حق پر ہو، چاہے زندہ رہو یا موت سے دوچار ہو جاؤ... عمرؓ نے کہا کہ تو پھر ڈرنا کیسا؟ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چناں چہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم راہ لے کر دو صفوں میں باہر آئے۔ ایک صف میں سیّد نا حمزہؓ تھے اور دوسری میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور سیّد نا حمزہ ؓ کو دیکھا تو ان کے دلوں پر دکھ کی ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔ صہیبؓ بن سنان رومی فرماتے ہیں کہ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا، اس کی اعلانیہ اشاعت ہوئی۔ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے قبل ہم خانۂ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے۔ اُن کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھتے، بیت اللہ کا طواف کرتے، اور جس نے ہم پر سختی کی اُس سے انتقام لیتے اور کفار کے بعض مظالم کا جواب بھی دیا۔ سیّد نا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ہم پھر مستقل طاقت ور اور باعزت رہے۔

[صہیب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو الرحیق المختوم میں (ص ۱۵۲) مختصر السیّرہ للشیخ عبداللہ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے]

☆☆☆☆☆